اسلامی نظامِ معیشت کی کامیابی کیلئے چند ناگزیر شرائط

شیخ یوسف القرضاوی

ترجمہ : عبدالحمید صدیقی

اسلامی نظامِ معیشت صرف اُسی وقت حسبِ منشا نتائج پیدا کرسکتا ہے جب ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے جس میں نظامِ اسلام اور شریعتِ الٰہی زندگی کے اقتصادی، اجتماعی، سیاسی، اور ثقافتی شعبوں میں پوری طرح لاگو ہوں۔

اگر یہ کہا جائے کہ اسلام اُس معاشرے میں معاشی مسئلے کو حل کرے جس میں غیروں کے نظامِ زندگی کی عملداری ہو۔ وہ نظامِ زندگی جو کچھ تو مشرق سے درآمد شدہ ہو اور کچھ مغرب سے۔ اور اُس میں اسلامی نظام کے کچھ اجزاء کی پیوندکاری کی گئی ہو تو یہ عدل و انصاف کے منافی اور غیر منطقی بات ہوگی۔

غربت کو دُور کرنے کے لیے اوّلین ہتھیار عمل ہے اور انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی کام کرے جس کے ذریعے وہ خودکفیل ہوسکے۔ مگر کیا کام سے وہ مطلوبہ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اگر آدمی وہ کام کرے جسے وہ اچھی طرح نہ کرسکتا ہو یا اگر اچھی طرح کرسکتا ہو تو اُسے محنت کے مقابلے میں کم معاوضہ ملتا ہو یا ایسا ہو کہ معاوضہ تو اُسے پورا ملتا ہو مگر اُسے ایسے مواقع نہ ملتے ہوں کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور قوتِ تخلیق کا اظہار کرکے ترقی کرسکے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ محنت بھی کرتا ہو اور اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر ایجاد و اختراع کا حق بھی ادا کرتا ہو۔ مگر اُسے اپنی محنت اور حُسنِ عمل کے مطابق صلہ نہ ملتا ہو اور اُس کی حوصلہ افزائی نہ کی جاتی ہو۔ بلکہ اُسے انتقامی طور پر اور اُس سے حسد کرتے ہوئے اپنے جائز مقام سے بھی پیچھے دھکیل دیا جاتا ہو اور محض جانبداری سے کام لے کر یا اپنی من مانی کرکے اور لٹا ہر بڑوں اور رذل کے چھوٹوں کی خوشنودی کے لیے غیر مستحق شخص کو اس مقام پر فائز کر دیا جاتا ہو۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کام کرنے والے کو اپنی محنت کا صلہ مناسب ہی ملتا ہو مگر جس معاشرے

میں وہ رہ رہا ہو اس کا طرزِ زندگی ہی ایسا ہو جو اُسے اِس بات پر مجبور کر دے کہ وہ اُن چیزوں پر اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کر دے جن میں معاشرے یا خود اس کے اپنے لیے کوئی فائدہ یا بہتری نہ ہو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تعیشات، گھٹیا عیش و نشاط، لذائذ جسمانی، لباس، دوستانہ تعلقات، سگریٹ، سینما، تھیٹر، رقص و سرود کی محفلوں وغیرہ جیسی مکروہ اور حرام چیزوں پر اتنا خرچ ہو جائے کہ فرد اور اس کے کنبہ کی حقیقی ضروریات کے لیے برائے نام ہی کچھ بچتا ہو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گمراہ اور کج رَو نہ ہو مگر جس معاشرے میں وہ زندگی بسر کر رہا ہو اس میں اجارہ داری (MONOPOLY)، سُود اور استحصال کا دَور دَورہ ہو اور ظلم و استبداد اور فتنہ و فساد کا سکہ چلتا ہو اور اُسے جو بھی چیز خریدنی ہو وہ بلیک مارکیٹ میں خریدنی پڑے، وہ کوئی کام رشوت کے بغیر نہ کروا سکتا ہو۔ اگر اُسے قرضے کی ضرورت پڑے تو بلا سُود کہیں سے ملتا نہ ہو۔

جب وہ جانی یا مالی طور پر کسی آفتِ ناگہانی سے دوچار ہو جائے اور قدرت و طاقت کے باوجود کام کرنے سے عاجز ہو جائے یا اُس کا وہ سرمایہ ہی جاتا رہے جس سے وہ حلال روزی کما سکتا ہے اور پھر وہ قرض لینے پر مجبُور ہو جائے۔ اور غارمین (مقروض لوگوں) میں شمار ہونے لگے تو پھر وہ کیا کرے گا اور معاشرہ اس کے متعلق کیا موقف اختیار کرے گا؟

اِن حقائق کے پیشِ نظر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ غیر اسلامی معاشرے یا غیر اسلامی حکومت کے اندر کوئی شخص پُوری طرح محنت مزدوری کر کے بھی خوشگوار زندگی کی ضمانت حاصل نہیں کر سکتا۔ جب اسلامی معاشرہ قائم ہو جائے گا جس کی تنظیم اور نگرانی کا کام ایک اسلامی حکومت کے سپُرد ہو گا اور پھر محنت اور محنت کاروں کے حالات ہی کچھ اور ہوں گے۔

۱۔ اسلامی حکومت لوگوں کو کام مہیا کرنے اور ہر کام کرنے والے کو اپنے مخصوص پیشے یا کام کی لازمی تربیت کا انتظام کرے گی تاکہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہو سکے۔

۲۔ وہ ہر کاریگر کو اس کے مخصوص میدانِ کار میں رکھے گی تاکہ بہترین نتائج حاصل کیے جا سکیں۔

۳۔ ہر کام کرنے والے کو وہ تمام آلات و اوزار مہیا کرے گی جو کم سے کم محنت اور وقت میں زیادہ سے زیادہ پیداوار میں مدد دے سکیں۔

۴۔ اسلامی حکومت ہر کام کرنے والے کو اُس کی محنت اور ضرورت کے مطابق اُجرت کی ضمانت دیگی

خواہ یہ اُجرت کتنی بھی ہو۔ اسی طرح ہر کاریگر کو اپنی مصنوعات میں حقِ ملکیت کا موقع بھی فراہم کیا جائیگا اور وُہ اپنے بعد اپنی اولاد کو اُن کا وارث بنا سکے گا۔

۵۔ جب کوئی کام کرنے والا اپنی اُجرت، منافع یا محنتانے سے اپنی اور اپنے اہلِ کنبہ کی ضروریات پُوری نہ کر سکے گا تو اس کی ضروریات کو پُورا کرنے کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی۔

۶۔ اگر وہ کسی آفتِ ناگہانی کے باعث قرض لینے پر مجبُور ہو گیا تو وُہ "غارمین" میں شمار ہوگا اور مالِ زکوٰۃ کا حق دار ہوگا۔

۷۔ یہ سب کچھ صرف اُسی وقت ہو سکے گا جب صحیح اسلامی طرزِ زندگی کو اپنایا جائے گا جس میں شراب و شاہد، رنگین شاموں، فضول لباس اور فساد و خرابی پیدا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ ان چیزوں سے نسلِ انسانی ہلاکت و تباہی سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اور افرادِ معاشرہ صحیح اور صالح زندگی کی ضروریات کے مقابلے میں کہیں زیادہ تکالیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آج کے مُسلم معاشرے میں نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ

فرض کیجیے آج کوئی معاشرہ جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتا ہے، نظامِ زکوٰۃ کو نافذ کرنا چاہتا ہے نتیجہ کیا ہوگا؟ میری رائے میں اس کا نتیجہ مندرجۂ ذیل ہوگا:۔

۱۔ اتنی کم مقدار میں زکوٰۃ جمع ہوگی کہ وہ افلاس کا مقابلہ کرنے کے لیے ناکافی ہوگی۔ اس کمی کے کئی اسباب ہیں جن میں سے مندرجۂ ذیل دو بڑے اہم ہیں:

اوّلاً: لوگ حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے کترائیں گے۔ کیونکہ حکومت نے پہلے ہی بہت سے ناقابلِ برداشت قسم کے ٹیکس لگا رکھے ہیں۔ اور حکومتیں جو زکوٰۃ جمع کریں گی اور کتاب و سُنت کی عملداری کا اہتمام نہیں کریں گی اُن پر سے لوگوں کا اعتماد اُٹھ چکا ہوگا۔ نیز انہیں یہ خیال ہوگا کہ زکوٰۃ کی رقم شریعت کی رُو سے جائز کاموں پر خرچ ہونے کے بجائے محض سیاسی مقاصد کے حصُول پر صرف کی جائے گی جیسا کہ اکثر ٹیکسوں کی رقم کی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلم معاشرے کے افراد کی ایک کثیر تعداد دینی احکام کی پابندی قبول کرنے کے جذبے اور شعورِ اسلامی سے غیر اسلامی فکری یلغار کے باعث محروم ہو چکی ہے۔

ثانیاً، قومِ مسلم کا بیشتر حصّہ ایسا ہے کہ اُس کے پاس اتنی دولت یا آمدنی نہیں کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکے۔ اور یہ اثر ہے اُس طرزِ حیات کا جسے عصرِ حاضر کے مسلمان اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ طرزِ حیات ہے ان غیر ملکی کفار کا جن کی مسلمان اندھی تقلید کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ سانپ کے بل میں اُنگلی

ڈالیں گے تو یہ بھی ڈالیں گے۔ اور وہ طرزِ زندگی تعیشات، ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ناجائز اور حرام لہو و لعب میں فضول خرچی اور اسراف پر قائم ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کی اس تھوڑی سی مقدار کا ایک حصہ انتظامی پیچیدگیوں اور ظاہری نمود و نمائش پر توجہ دینے کے باعث دفاترِ زکوٰۃ، سامانِ نوشت و خواند اور زکوٰۃ کی جمع و تقسیم کے لیے رکھے گئے ملازموں پر خرچ ہو جائے گا۔ یوں زکوٰۃ فقراء و مساکین تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی۔

۳۔ چونکہ حکام اور عوام کو اسلامی طرزِ زندگی کی کوئی تربیت نہیں دی گئی۔ اور ان کے قلب و ضمیر کو مسلمان نہیں کیا گیا، لہٰذا تقسیمِ زکوٰۃ کے وقت گڑبڑ اور دھاندلی ہو گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اکثر مستحقینِ زکوٰۃ تو زکوٰۃ سے محروم رہ جائیں گے اور غیر مستحق لوگ زکوٰۃ لے جائیں گے۔

۴۔ آخر کار نتیجہ یہ ہو گا کہ صرف زکوٰۃ سے معاشرے کے جملہ فقراء و مساکین کی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں ہو سکیں گی بلکہ ان میں سے صرف وہ تھوڑے سے لوگ ہی زکوٰۃ سے فائدہ اٹھا سکیں گے جنہیں تقسیمِ زکوٰۃ کے وقت کچھ رقم مل جائے گی۔ اِس کے بعد نظامِ زکوٰۃ کے بارے میں عام لوگ شکوہ و شکایت کرتے ہوئے اُس کی عدمِ افادیت کے قائل ہو جائیں گے۔ اور یوں اسلام کے پورے نظامِ زندگی کے بارے میں شکوک و شبہات کی راہیں کھل جائیں گی۔

مذکورۂ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ اسلام کے احکام و تعلیمات کے ساتھ دورِ حاضر کے کسی غیر اسلامی کافرانہ نظام کا جوڑ لگانے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا اور کسی اخلاقی بیماری کا علاج نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے معاشی مسائل تو اُسی وقت حل ہوں گے جب ہم اسلامی نظامِ حیات کو ایک ناقابلِ تقسیم وحدت کے طور پر اپنائیں گے۔ اسلام افراد کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے فرد کو کام کرنے اور اپنی قوتِ اختراع و ایجاد سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر اُبھارتا ہے۔ ذاتی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے بلکہ بعض حدود و قیود کا پابند کر کے اُس کی حفاظت بھی کرتا ہے تاکہ معاشرے میں ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان پنپنے نہ پائیں۔ وہ فرد کے لیے حقِ میراث مقرر کرتا ہے تاکہ وہ اپنے بعد اپنی اولاد کے بارے میں مطمئن رہے۔ یوں اسلام فرد کے لیے ترقی کا ایک وسیع دائرۂ کار مہیا کرتا ہے جس میں وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا اظہار کر کے کسی فن میں کمال و تفوق حاصل کر سکتا ہے۔ دوسروں کو

فائدہ بھی پہنچا سکتا ہے اور اُن سے استفادہ بھی کر سکتا ہے۔ اور مال کی حیثیت اسلام کے نزدیک ایک نیک انسان کے ہاتھ میں صلاح و فلاح کے ایک ذریعہ کی ہے۔ اسلام یہ سب کچھ اس لیے کرتا ہے کہ ساری مسلم سوسائٹی کی مجموعی دولت میں اضافہ و ترقی ہو اور وہ جملہ افرادِ معاشرہ کے لیے مفید ہو۔

اسلام فرد کو حقِ ملکیتِ ذاتی، کوئی کام کرنے اور اپنی قوتِ تخلیق و ایجاد کو بروئے کار لانے کی جو آزادی عطا کرتا ہے وہ یہ آزادی عطا کرتے وقت سرمایہ دارانہ نظام کی طرح سوسائٹی کے مفاد و مصلحت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ فرد اور سوسائٹی کے درمیان ایک منصفانہ توازن قائم کرتا ہے کہ فرد اور معاشرے دونوں کو اپنا اپنا حق ملتا رہے اور وہ بلا کم و کاست اپنے فرائض بجا لاتے رہیں۔

اسلامی نظام میں مال و دولت کا مالکِ حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور عرفِ عام میں مال کا جو مالک ہوتا ہے وہ دراصل اس مال کا امانت دار ہوتا ہے جسے اس مال میں تصرف کی کھلی چھٹی نہیں بلکہ وہ اس کے خرچ کرنے میں مال کے مالکِ حقیقی کے احکام و ہدایات کا پابند ہے۔ یہ مالک وہ ہے جو سب بندوں خواہ وہ غریب ہوں یا امیر کا پروردگار ہے اور وہ ان پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ایک ماں اپنے بچے پر ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ نظام جسے بندوں کے پروردگار نے مال کی حفاظت اس کو کسی کام میں لگانے، اُس کی گردش و تقسیم اور اس کے خرچ و تصرف کے لیے بنایا ہے۔ سب افرادِ معاشرہ یعنی ساری قوم خواہ وہ غریب ہوں یا امیر کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہے۔

اس نظام نے مال کو ضائع کرنے اور اس کو بے جا خرچ کرنے سے روکا ہے اور فضول خرچی اور اسراف کو حرام کہا ہے اور فضول خرچوں کو شیطان کے بھائی بتایا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ قانون بنا دیا ہے کہ کسی نادان، فضول خرچ اور مال کو ضائع کر دینے والے کے حوالے کوئی مال نہ کیا جائے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (النساء: ۵) "اپنے وہ مال جنھیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو"۔

اِس نظام نے ایسی عیش و عشرت کی زندگی پر بھی قدغن لگائی ہے جو قوموں کو ناز و نعمت میں کھیلنے والی اقلیت اور دنیا کی نعمتوں سے محروم اور غم و حسد کی آگ میں جلنے والی اکثریت میں تقسیم کر دیتی ہے اور عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے ہدایت اور اصلاح کی راہ کا سنگِ گراں بن جاتے ہیں۔ جن کا دستور العمل یہ ہوتا ہے۔ إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ (ہدایت اور خیر و صلاح کا جو پیغام

اور پروگرام تم لے کر آئے ہو ہم اُس کے منکر ہیں) - اور اُن کی یہی عیش پرستی ساری قوم کے بگاڑ اور بالآخر تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا - (اسراء: ۱۶)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے - اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں -

عیش و تنعّم کی زندگی گذارنے سے باز رکھنے کے اسی اصول کے تحت اسلام میں سونے چاندی کے برتن اور دیگر اسی طرح کی اشیاء رکھنے کو حرام کر دیا گیا ہے - کیونکہ یہ چیزیں متکبّر لوگوں کے گھروں میں عیش پرستی کی علامات ہوتی ہیں - اس طرح مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا پہننا بھی اسلام میں حرام ہے -

نظامِ اسلام میں احتکار اور سُود بھی حرام ہیں - کیونکہ سرمایہ داری کا وجود نا مسعود اپنی دو ٹانگوں پر کھڑا ہے - چنانچہ مُسند احمد میں ہے کہ رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے اشیائے خورد و نوش کو چالیس دن تک محض نفع اندوزی کی خاطر روکے رکھا اُس نے اللہ سے اپنی بیزاری اور اللہ نے اس سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا ؟

قرآن مجید میں صاف طور پر یہ اعلان موجود ہے کہ سُود خوار جب تک توبہ نہ کریں ، اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسرِ جنگ تصور ہوں گے - اور اگر وہ توبہ کر لیں تو انہیں صرف اپنے اصلی مال ہی ملیں گے - نہ وہ کسی پر ظلم کریں گے اور نہ اُن پر ظلم کیا جائے گا - احتکار اور سُود کا تو بلاشبہ یہ معنیٰ ہے کہ معاشرے کے دولتمند افراد غریبوں اور ناداروں کا خون چوستے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امیر امیر تر ہوتا جاتا ہے اور فقیر و غریب ، غریب تر -

اسلام نے روپے پیسے کو جمع کرنے اور اُسے بیکار پڑا رہنے دینے کی بھی بڑی شدّت سے مذمت فرمائی ہے - اور ہر قسم کے نقد مال پر اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے ، زکوٰۃ فرض کی ہے - خواہ اس مال کا مالک اُس سے نفع اندوز ہو یا نہ ہو - اس ترکیب سے مالداروں کو اس بات پر مجبور کیا گیا ہے کہ وہ ہر

جائز کاروبار اور تجارت میں اپنے مالوں کی سرمایہ کاری کریں۔ ایسا نہ ہو کہ مرورِ مہ و سال کے ساتھ ساتھ اُسے زکوٰۃ ہی ختم کر دے۔

اسلامی نظامِ زندگی میں لوگوں کے باہمی معاملات میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا فرض ہے۔ اسلام نے مالک اور ملازم، آجر اور اجیر، خریدار اور فروخت کنندہ اور مال پیدا کرنے والے (PRODUCER) اور صارف (CONSUMER) کے باہمی تعلقات کو نظم و ضبط کا پابند رکھنے کے لیے نہایت دُور رس اور منصفانہ قواعد و ضوابط وضع کیے ہیں۔ یہاں تک کہ ہر حقدار اپنا حق لیتا ہے اور کوئی فرد یا گروہ کسی دوسرے فرد یا گروہ کے حقوق پامال کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

نظامِ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ قومی دولت کو بڑھانے اور اُسے غیر نفع بخش مصارف میں ضائع ہونے سے بچانے کو فرض قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اسلام قوم کی قوتوں اور دولت اور افرادِ قوم کی کوششوں کو شراب نوشی، لہو و لعب، رنگ و رامش اور دیگر ظاہری اور باطنی فواحش میں ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔ جو قومی قوتیں اور دولت اُن فضول اور باعثِ فتنہ و فساد کاموں میں خرچ ہوتی ہیں، اسلام اپنے قوانین و احکام کے ذریعے انہیں فسق و فجور اور فتنہ و فساد میں ضائع ہونے سے بچا کر اُن کا رُخ قومی پیداوار میں اضافہ کرنے کی طرف موڑ دیتا ہے۔

وہ قوم جو اپنے دن کا آغاز اس طرح کرتی ہے کہ صبح سویرے اُٹھ کر وضو کر کے نماز ادا کرتی ہے اور وہ خوش مزاج اور چاق و چوبند ہوتی ہے، لامحالہ اس کی قومی پیداوار اس قوم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوگی جو اپنی نصف شب یا اس کا بیشتر حصہ فسق و فجور، شہوت پرستی اور لہو و لعب میں گزار کر جب صبح بادلِ ناخواستہ نیند سے بیدار ہوتی ہے اور اپنے کاموں پر جاتی ہے تو وہ بدمزاج، کسل مند اور کم ہمت ہوتی ہے۔

اسلامی نظام اپنی فطرت و مزاج کے اعتبار سے ایسا ہے کہ اگر اُسے پورے طور پر نافذ کر دیا جائے تو جس معاشرے میں اُسے نافذ کیا جائے گا اس کی قومی دولت میں اضافہ ہوگا اور اس میں بیکار افراد اور فقراء کی تعداد نسبتاً کم ہوگی۔ اور جب کسی قوم میں فقراء کی تعداد کم ہو جائے قومی دولت میں اضافہ ہو اور اس کے مالدار لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرنے میں صحیح راہ اختیار کریں تو اُس میں معاشی

مسائل آسانی سے حل ہو جاتے ہیں بلکہ یہ مسائل کبھی پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوں تو ایسی صورت اختیار نہیں کرتے کہ معاشرے کے لیے ایک مستقل خطرہ بن جائیں۔ جیسا کہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ معاشروں میں ہو رہا ہے۔ وہاں بہت سے انقلابات آتے ہیں اور حق و ناحق تباہی و بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر سرمایہ داری اور جاگیرداری کے ظالمانہ نظاموں کی کوکھ سے ایسے نظام جنم لیتے ہیں جو ان نظاموں سے زیادہ ظالمانہ اور باعثِ فتنہ وفساد ہوتے ہیں۔ یہ ہیں نقاب پوش اور بے نقاب کمیونزم یا اشتمالیت کے نظام جو پرانے افلاس کا علاج نئے افلاس سے کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو وہ تبدیلی لاتے ہیں یہ ہے کہ وہ فقر و غربت کو ساری قوم پر یکساں طور پر ٹھونس دیتے ہیں، سوائے اُس چھوٹے سے گروہ کے جو ہیئتِ حاکمہ کے ارکان، فنکاروں (ARTISTS) اور ملک میں رائج نظام کے پشت پناہ ماہرین پر مشتمل ہوتا ہے۔

اسلام افلاس کا تعاقب مختلف قوانین و احکام کے ذریعے کرتا ہے۔ اور غرباء کو مالدار بنانے کے لیے مختلف وسائل بروئے کار لاتا ہے۔ اگر اسلامی حکومت میں کچھ فقراء و غرباء رہ جائیں تو وہ کسی صورت میں ایک طبقہ نہیں قرار دیے جاتے جسے طبقۂ فقراء کہتے ہیں۔ طبقاتی تقسیم کی شرط یہ ہے کہ وہ قانون اور روایات کی مدد سے نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہتی ہے۔ مگر اسلام کے قوانین اور مختلف ماحول میں اس کے ماننے والوں کی قائم کردہ روایات معاشرے کے کسی خاص گروہ پر فقر و غربت کو اس طرح ٹھونس نہیں دیتیں کہ بیٹے اور پوتے اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں پائیں۔ اسلامی سوسائٹی میں فقر و غربت کوئی دائمی اور مستقل چیز نہیں بلکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک فرد سے دوسرے فرد کو منتقل ہوتی رہتی ہے کبھی چشمِ ظاہر بیں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور بالآخر بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ فقراء بھی تو آخر افراد ہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو افراد آج فقیر ہوں کل غنی بن جائیں۔ کیونکہ اسلامی معاشرے میں منصفانہ مواقع اور جائز چیزوں کے حصول کی تمنا کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوتے ہیں۔ ان یکونوا فقراء یغنیہم اللہ من فضلہ (سورۃ النور۔ ۳۲) "اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے امیر کر دے گا" اور سیجعل اللہ بعد عسرٍ یسراً (الطلاق: ۷) "اللہ تعالیٰ عنقریب بدحالی کے بعد خوشحالی کر دے گا"

اسلامی سوسائٹی میں افلاس کے سبب مفلس کی عزت و احترام میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور نہ

اس کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ اسلام نے اپنے افرادِ معاشرہ کو یہ تعلیم دی ہے جن میں خود فقراء بھی ہیں کہ معاشرے میں عزت و احترام کا معیار دولت و ثروت اور دیگر منقولہ و غیر منقولہ جائیداد یا سیم و زر نہیں بلکہ علم و ایمان، تقویٰ اور اعمالِ صالح ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ　　بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (الحجرات: ۱۳)

هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؟ (الزمر: ۹)　　کیا برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: ۱۱)　　اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے درجات بلند کردے گا۔

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ　　اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے وہ اور بدکار برابر نہیں

دورِ جاہلیت کے عرب معاشرے میں افراد کی قدر و عزت کے پیمانے مال و دولت اور جاہ و حشمت تھے۔ جتنا کوئی شخص صاحبِ دولت و حشمت ہوتا تھا اتنا ہی وہ قابلِ قدر و عزت ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ اس سوسائٹی کے لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر سب سے پہلا جو اعتراض کیا تھا وہ یہی تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقیر و غریب ہیں۔ اور کہتے تھے کہ کاش! وحی الٰہی مکہ و طائف کے دو مشہور دولت مندترین آدمیوں یعنی ولید بن مغیرہ قرشی اور عروہ بن مسعود ثقفی میں سے کسی ایک پر نازل ہوتی۔ قرآنِ مجید کی سورہ زخرف میں ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۔ (زخرف: ۳۱)　　اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا یہ قرآن کسی آدمی پر جو ان دونوں شہروں میں سے عظمت والا ہو۔

جب اسلام آیا تو اس نے انسانی قدر و عزت کے ان غلط پیمانوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ اور یہ واضح کیا کہ انسانیت کا حقیقی جوہر ایمان و عمل میں ہے نہ کہ گوشت پوست یا سیم و زر اور زیب و زینتِ ظاہری میں۔ چنانچہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پراگندہ

بال اور غبار آلود چہروں والے ہیں اور چیتھڑوں میں ملبوس ہیں کوئی انہیں درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا کہ اگر وہ مشیتِ ایزدی کے خلاف قسم کھالیں تو اللہ انہیں سچا کر دکھائے۔ اس کے برعکس آپؐ یہ بھی فرماتے ہیں: قیامت کے روز ایک بڑا موٹا تازہ گرانڈیل آدمی آئے گا۔ مگر اللہ کے نزدیک اس کی وقعت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔ (سو ہم قیامت کے روز ان کے لیے وزن قائم نہیں کریں گے)۔

چونکہ لوگ نظری اصولوں کی نسبت عملی واقعات پر زیادہ یقین رکھتے ہیں اس لیے ہم یہاں چند زندہ عملی مثالیں پیش کرتے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں کہ اسلامی نظام نے غربت و افلاس پر کس طرح قابو پایا۔ اور آزادیٔ فکر و عمل اور عدل و انصاف کے تحت کس طرح خوش حالی اور امن و امان کا دَور دورہ ہوا۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس خوش حالی، امن و امان اور زندگی کی آسائشوں کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزے کے طور پر ان کے بارے میں بتا دیا تھا۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیِ الٰہی کے ذریعے اُس نظامِ زندگی کے مزاج و ماہیت سے اُمت کو روشناس کرا دیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت اور نعمت بنا کر آپؐ کے ذریعے بھیجا تھا۔ یہ نظامِ زندگی آج بھی بہترین نتائج و ثمرات پیدا کر سکتا ہے۔ اگر اسے اچھی طرح اور مکمل طور پر نافذ کیا جائے اور اس کے احکام و ہدایات سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جائے۔ اس نظامِ حیات کے نفاذ کے نتیجے کے طور پر دولت کی فراوانی، ہمہ گیر امن و امان، اور اجتماعی بہبود کا دَور دورہ ہوگا حتیٰ کہ جب اسلام کا نظامِ زندگی مستحکم طور پر قائم ہو جائے گا اور روئے زمین پر اس کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی تو افرادِ معاشرہ میں صدقہ و زکوٰۃ کا استحقاق رکھنے والا یا اُسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ملے گا

صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے آکر فاقہ کشی کی شکایت کی۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور راہ زنی کی شکایت کی۔ (چونکہ عدی اسلام قبول کرنے کے لیے رسولؐ اللہ کے پاس آئے ہوئے تھے اور رسولِؐ خدا کو یہ خدشہ ہُوا کہ کہیں وہ متزلزل اور دل برداشتہ نہ ہو جائے اس بات سے کہ اہلِ اسلام تو کمزور اور فقر و تنگدستی کا

شکار ہیں اور ان کے ملک میں امن و امان نہیں اس لیے آپؐ نے اُسے قبولِ اسلام کی ترغیب دلانے اور اپنے عزم و ارادہ میں ثابت قدم رکھنے کے لیے وہ ساری بشارتیں سنائیں جو حدیث میں مذکور ہیں، آپؐ نے فرمایا: "اے عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟

اُس نے کہا: "میں نے دیکھا تو نہیں اس کے متعلق سنا ضرور ہے۔

آپؐ نے فرمایا: "اگر تم زیادہ دیر زندہ رہے تو تم دیکھو گے کہ ایک مسافر عورت حیرہ سے (تن تنہا) روانہ ہوگی اور کعبے کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا کسی کا خوف اس کے دل میں نہ ہوگا" ایک روایت میں ہے کہ عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ اونٹ بغیر کسی محافظ کے مکہ کی طرف روانہ ہوگا"

حدیث کے راوی عدی کہتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ قبیلۂ طے کے وہ راہزن کہاں جائیں گے جنہوں نے سارے ملک میں فتنہ و فساد اور لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے (یعنی اپنے زمانے میں اُسے یہ بات کچھ انہونی سی معلوم ہوئی کہ اس حد تک امن و امان قائم ہو جائے گا کہ کوئی عورت اکیلی حیرہ سے مکہ جائے گی اور اُسے راستے میں کوئی لوٹے گا نہیں۔ وہ صرف اپنے قبیلے کے فتنہ پردازوں اور راہزنوں کو جانتا تھا کہ جو بندگانِ خدا کو خوفزدہ کر کے فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے تھے)۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے اُس سے فرمایا: "اگر تم نے لمبی عمر پائی تو تم لوگ کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کرو گے۔

عدی نے کہا: "کسریٰ بن ہرمز؟

آپ نے فرمایا: "کسریٰ بن ہرمز۔ اور اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی اپنے مال و دولت سے ہاتھ بھر کر سونا چاندی نکالے گا اور کسی شخص کو تلاش کرے گا جو اُسے قبول کرے مگر اُسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ملے گا"

حضرت عدی مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے خود وہ سب کچھ دیکھا جس کی بشارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ عدی فرماتے ہیں "میں نے دیکھا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لیے روانہ ہوتی ہے اور سوائے خدا کے کسی کا خوف اس کے دل میں نہیں۔ اور میں اُن لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر قبضہ کیا تھا۔ اگر تم لوگوں نے لمبی عمریں پائیں تو تم

ضرور اس فرمانِ نبوی یخرج مل ءکفہ (کوئی شخص اپنے مال و دولت میں سے ہاتھ بھر صدقہ و زکوٰۃ نکالے گا) کی عملی صورت دیکھو گے۔ یعنی تم دیکھو گے کہ دولت کی ریل پیل اور فراوانی ہو گی اور فقراء بالکل نہیں ہوں گے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عدی بن حاتم سے یہ فرمانا کہ " اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک آدمی اپنے مال و دولت میں ہاتھ بھر سونا چاندی نکالے گا .... الخ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اتنے قریب کے زمانے میں ہونے والا ہے کہ صحابہ میں سے جن لوگوں کی زندگیاں لمبی ہونگی وہ اسے دیکھ سکیں گے۔ اور یہ سب کچھ خلیفۂ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ خلافت میں ہوا جس کا ہم آگے ذکر کریں گے۔

ایسی احادیث نبوی بکثرت موجود ہیں جن میں یہ خبر دی گئی ہے کہ امتِ مسلمہ میں دولت کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ صدقہ و زکوٰۃ کے مستحق افراد کا طبقہ بالکل معدوم ہو جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت کی فراوانی اور غربت و افلاس کے انعدام کے بارے اس رسولِ معصوم کا فرمان، جو اپنی خواہش کے تابع ہو کر کوئی بات نہیں کرتا، مسلمانوں کے اندر فقر و فاقہ کو ختم کرنے کے لیے جوش و جذبہ پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اس کے برعکس تورات میں یہ لکھا ہے کہ فقر و فاقہ ابدی ہے اور روئے زمین سے فقراء ختم نہیں ہو سکتے (سفر التثنیہ ۱۵-۱۰-۱۱)۔

اب ہم ذیل میں کچھ ایسی احادیث پیش کرتے ہیں جو مسلم معاشرہ سے فقر و فاقہ کا نام و نشان مٹانے کا باعث ہوئیں۔

بخاری وغیرہ نے حارثہ بن وہب خزاعی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خیرات کر لو کیونکہ تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے کہ ایک شخص صدقہ ہاتھ میں لے کر گھومے پھرے گا مگر اسے کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو صدقہ قبول کرلے بلکہ ہر شخص اس صدقہ دینے والے کو یہی کہے گا " اگر آپ کل آئے تو میں یہ صدقہ قبول کر لیتا۔ مگر آج مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں[1]"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

[1] عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۸۱

"قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ تم میں مال و دولت اتنی فراوانی نہ ہو جائے کہ صاحبِ مال و دولت کسی ایسے شخص کے پاس جاتے جو اُس سے صدقہ قبول کرے اور وہ اُسے اپنے مال میں سے صدقہ و زکوٰۃ پیش کرے تو جس شخص کو پیش کرے وہ اُس سے کہے "مجھے اس کی کوئی ضرورت و خواہش نہیں"[1]

حضرت ابو موسےٰ اشعری سے بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ کوئی شخص اپنے سونے وغیرہ کی زکوٰۃ لے کر گھومے پھرے گا مگر اُسے کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملے گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مسلمانوں کے پاس اتنی دولت آگئی کہ سارے معاشرے میں کوئی صدقہ و زکوٰۃ کا مستحق نہیں ملتا تھا۔ مگر یہ اس وقت ہوا جب مسلمانوں کو ایک مستحکم حکومت عادل حکمران اور خلافتِ راشدہ میسّر آگئی تھی۔ اور یہ سب چیزیں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع تھیں۔

امام بیہقی نے الدلائل میں عمر بن اسید بن عبد الرحمٰن بن زید بن خطاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز صرف تیس ماہ (ڈھائی سال) مسلمانوں کے حکمران رہے۔ بخدا ! اُن کے عہد میں کوئی شخص بہت سا مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ اسے فرماتے کہ فقراء و مساکین میں جہاں اس کا مصرف دیکھو اس مال کو دے ڈالو۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ شخص اپنا مال لے کر لوٹ آتا اور کہتا کہ اس مال کو لینے والا مجھے کوئی نہیں ملتا کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مالدار کر دیا ہے"

امام بیہقی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اُس حدیث کی تصدیق کرتی ہے جو ہم نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے[2]

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں "مجھے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے افریقی علاقوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ میں نے صدقات وصول کرنے کے بعد اُن علاقوں کے فقراء کو بلایا تاکہ اُن میں وہ صدقات بانٹ دوں۔ مگر مجھے کوئی فقیر اُن علاقوں میں نہ ملا۔ اور نہ

---

[1] عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۸۱ - [2] عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۱۳۵

مجھے اپنے علاقے میں کوئی ایسا شخص نہ ملا جو صدقہ و زکوٰۃ لے لے۔ کیونکہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مالدار بنا دیا تھا۔ چنانچہ میں نے صدقات کی اس رقم سے کچھ قیدی خرید کر آزاد کر دیئے[۱]۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت سے پہلے بھی ایک ایسا دور گزرا ہے یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت جبکہ بعض علاقے جو اسلام اور عدل و انصاف کی حکمرانی سے سرفراز تھے۔ انہیں اس دولت سے بہرہ وافر ملا ہوا تھا جس کی خیر و برکت سے سارے اہلِ علاقہ متمتع ہو رہے تھے۔ چنانچہ یمن کے علاقے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادے معاذ بن جبل اور اُن اشخاص کو جنہیں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اُن کی جگہ مقرر کیا تھا، کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو اُن سے زکوٰۃ لے لے۔ اس صورتِ حال سے مجبور ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دارالخلافت اور اسلامی دارالحکومت مدینہ کو ساری زکوٰۃ بھیج دی تھی۔

آیئے دیکھیں کہ ابو عُبید مصنّف کتاب الاموال حضرت معاذ والی اِس روایت کو کس طرح بیان کرتا ہے۔ ابو عبید کتاب الاموال میں رقم طراز ہیں:

جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو وہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات تک لشکر کے ساتھ رہے۔ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں واپس بھیج دیا۔ حضرت معاذ نے اہلِ یمن سے صدقات وصول کر کے اُن کا ایک تہائی حضرت عمرؓ خلیفۃ المسلمین کو بھیجا۔ آپ نے وہ لینے سے انکار کر دیا اور انہیں کہلا بھیجا کہ "میں نے تمہیں صرف صدقات و جزیہ وغیرہ جمع کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ میں نے تمہیں اس لیے بھیجا ہے کہ تم دولتمند لوگوں سے صدقات وغیرہ لے کر انہیں غرباء و فقراء میں تقسیم کر دو۔" حضرت معاذؓ نے جواب دیا "میں نے آپ کو کوئی چیز اس حال میں نہیں بھیجی کہ یہاں مجھے کوئی اس کا لینے والا مل رہا ہو۔" پھر جب دوسرا سال آیا تو حضرت معاذؓ نے اہلِ یمن کے کل صدقے کا نصف حضرت عمرؓ کو بھیجا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ کے درمیان پھر وہی ماجرا ہوا جو پہلے سال ہوا تھا۔ اس کے بعد جب تیسرا سال آیا تو حضرت معاذؓ نے کُل صدقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز از ابن عبدالحکم صفحہ ۵۹

پھر اُسی طرح واپس بھیج دیا جس طرح اس سے پہلے بھیج دیا تھا اور وہی کہلا بھیجا جو پہلے کہلا بھیجا تھا۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "مجھے یہاں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں مل سکا جو مجھ سے زکوٰۃ وغیرہ لے لے۔"

اللہ اللہ! یہ حدیث کتنی عظیم اور عمدہ ہے۔ یہ حدیث جسے ہم کتابوں میں پڑھ کر گزر جاتے ہیں اور اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور اس کے عدلِ اجتماعی نے چند سالوں میں مسلمانوں کو دولت مندی، معاشی کفالت اور استحکام کی صورت میں وہ ثمرات دیتے ہیں جو مذکورہ حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ کیا دنیا میں ایسی کوئی مثال موجود ہے؟ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے چشمِ فلک نے کوئی ایسا حکمران دیکھا ہے جو اپنے گورنر کو اس بات سے منع کر دے کہ وہ مختلف علاقوں سے مال و دولت جمع کر کے دارالحکومت میں بھیجے اور اس سے کہے کہ میں نے تمہیں اس لیے گورنر بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ تم اپنے علاقوں سے ٹیکس اور دیگر ظالمانہ محصول وغیرہ وصول کر کے مجھے بھیجو جیسا کہ بادشاہ لوگ کرتے ہیں۔ اگر فقیہ صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ کو اس بات کا یقین نہ دلا دیتے کہ اُن کے علاقے میں معاشی عدل و انصاف کا دور دورہ ہے اور یہ کہ وہ کوئی شے انہیں اس حالت میں نہیں بھیج رہے کہ اُن کے علاقے میں اُس کا کوئی ضرورت مند ہو، تو وہ اس علاقے کے دولتمندوں سے مال لے کر وہاں کے فقراء کو دینے کا پورا اہتمام کرتے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حضرت معاذ بن جبل اپنے علاقے کے غرباء کی ضروریات کو نظرانداز کر کے زکوٰۃ و صدقات امیرالمومنین کو بھیج دیتے، حالانکہ وہ خود ہی تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجتے وقت فرمایا تھا: "وہاں کے دولتمندوں سے مال لے کر فقراء و مساکین میں تقسیم کردو۔"

تمام علاقوں کے مسلمان ایک امت ہیں۔ لہٰذا جب کسی خاص علاقے کے باشندے زکوٰۃ و صدقات سے بے نیاز ہو جائیں اور وہاں کے دولتمندوں کے مالوں کی زکوٰۃ سے غرباء کی ضروریات پوری ہونے کے بعد کچھ بچ جائے تو اُس سے کسی دوسرے علاقے کے غرباء کی ضروریات پوری کرنا فرض ہے یا مسلمانوں کی مرکزی حکومت کو چاہیے کہ وہ اُس ضرورت سے زاید زکوٰۃ کو ایسے کاموں پر خرچ کر دے جن میں مسلمانوں کے لیے اجتماعی اور دینی اعتبار سے خیر و صلاح ہو۔

جب اور جہاں اسلامی نظامِ حیات کو نافذ کیے جانے کا موقع ملا تو اس نے وہ نتائج اور ثمرات

پیدا کیے جو اُوپر بیان کیے گئے ہیں۔ اور یہ جو مسلمان قوم بدقسمتی سے اِس عدیم المثال نظامِ زندگی کی برکات سے محروم ہو گئی ہے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ظالم لوگ زبردستی اس پر مسلط ہو گئے ہیں۔ اور مال و دولت پر بیوقوفوں اور عقل کے اندھوں کا قبضہ ہے اور دین میں جہالت اور بدعت نے فساد اور بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔

عالمِ واقعات سے پیش کردہ ان مثالوں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو فقر و غربت کو ایک مرضِ لادوا اور بلائے بے درماں سمجھتے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی سراسر غلطی پر ہیں جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام میں نظامِ زکوٰۃ کا نافذ کیا جانا اسلامی معاشرے میں فقراور فقراء کے وجود کی ضرورت کا "سرکاری طور پر اعتراف" ہے۔

مسلم معاشرے میں فقر و غربت کا وجود کوئی مطلق اور حتمی امر نہیں بلکہ بالکل ہنگامی اور وقتی بات ہے جس سے مسلم معاشرے کی طرح غیر مسلم معاشرے بھی دوچار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس کی روک تھام کے لیے لازمی قوانین و اصول وضع کیے جائیں۔ اسلام کا نظامِ زکوٰۃ بھی اِسی قسم کے قوانین پر مشتمل ہے۔

آج بھی اگر اسلامی نظامِ زندگی کو کسی معاشرے میں پوری طرح نفاذ کا موقع دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ فقر و غربت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے اور دولت و ثروت کے چشمے پھوٹ پڑیں اور لوگ امن و اطمینان کی زندگی گزارنے لگیں۔ اور غربت و افلاس اور احتیاج و مسکنت اور بھوک اور خوف بالکل کافور ہو جائیں اور ہر شخص کو بافراغت روزی ملنے لگے۔ حتیٰ کہ جب اُس سوسائٹی میں پیداوار بڑھنے لگے گی اور اسلام کے نظامِ عدل و انصاف کے تحت دولت اور حصولِ دولت کے ذرائع کی منصفانہ تقسیم ہو گی تو سارے معاشرے میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق فقیر نہیں ملے گا۔ اور زکوٰۃ دوسرے مصارف تالیفِ قلوب، قیدیوں، قرض داروں، راہ خدا میں نکلنے والوں اور مسافروں پر خرچ کی جانے لگے گی۔